تفسیر معارف القرآن، ایک مطالعہ

(A Study of the Tafsīr Ma'ārif al-Qur'ān)

ڈاکٹر سراج الاسلام حنیف ☆

Abstract

Ma'ārif al Qur'ān, reprinted several times, is a well-known Urdu translation and commentary of the Qur'ān, authored by the renowned scholar of Islam, Mufti Muḥammad Shafī' 'Uthmāni (25 January1897–6 October 1976). This work, encyclopedic in nature, has been written in a simple narrative style and carries a strong flavor of explaining fiqhī themes mentioned in the Qur'ān. It has gained much popularity and has earned praise from scholars and students of the Qur'ānic exegesis alike. Justice Muḥammad Taqi Uthmāni, son of the author has completed its English translation in 2003. The present article is a brief analysis of some important exegetical opinions mentioned in the Ma'ārif al Qur'ān and suggests that a deep critical look towards authentication of aḥādīth mentioned in it will further enhance value of the work.

معارف القرآن مفتی محمد شفیع بن مولانا محمد یٰسین کی شاہ کار فقہی تفسیر ہے، جو آٹھ ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔ آپ کا آبائی وطن دیوبند ہے جو ضلع سہارنپور[یوپی] میں برصغیر کا مشہور ترین قصبہ ہے۔ یہی آپ کی ولادت ۱۳۱۴ھ میں شعبان کی تقریباً بیس تاریخ کو ہوئی۔ شمسی حساب سے یہ جنوری ۱۸۹۷ء تھا۔ آپ کے دادا نے نام "محمد مبین" رکھا تھا لیکن آپ کے والد بزرگوار نے ولادت کی اطلاع کا خط اپنے شیخ حضرت گنگوہی کو لکھا تو انہوں نے جواب میں نام "محمد شفیع" تجویز فرمایا[1]۔ پانچ سال کی عمر میں قرآن مجید ناظرہ کی تعلیم حافظ محمد عظیم کے پاس دارالعلوم دیوبند میں شروع کی۔ عربی، صرف و نحو اور فقہ کی ابتدائی کتابیں اپنے والد سے پڑھیں۔ ۱۳۲۰ھ میں جب آپ کی عمر سولہ سال تھی، اصول فقہ اور ادب وغیرہ کی متوسط کتابیں دارالعلوم کے درجہ عربی میں باقاعدہ داخل ہو کر شروع کیں۔ اساتذہ میں علامہ کشمیری، مفتی عزیزالرحمن، مولانا محمد احمد، مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا سید میاں اصغر حسین، مولانا اعزاز علی، مولانا رسول خان اور مولانا محمد ابراہیم بلیلاوی کے نام قابل ذکر ہیں۔ ۱۳۳۵ھ میں آپ نے

* اسسٹنٹ پروفیسر، عبدالولی خان یونیورسٹی، مردان

دورۂ حدیث کیا کچھ فنون کی کتابیں باقی تھیں جن کی تکمیل ۱۳۳۶ھ میں فرمائی۔ درس نظامی کی مکمل تعلیم سے نہایت ممتاز حیثیت میں فارغ ہوئے اس وقت عمر ۲۲ سال تھی۔ فراغت کے بعد دارالعلوم دیوبند میں تدریسی خدمات سنبھالے۔ ۲۶ سال دارالعلوم کی خدمت میں مشغول رہے۔ ۱۳۴۷ھ میں مولانا تھانوی سے بیعت ہوئے۔ دارالعلوم کورنگی کراچی کی داغ بیل ڈالی۔ ۱۶۲ علمی کتابیں تصنیف کیں۔ دس شوال ۱۳۹۶ھ کو علم وعمل کا یہ سورج ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ڈوب گیا۔[2]

محدث العصر مولانا محمد یوسف صاحب بنوری رحمہ اللہ[3] ان کی تفسیر معارف القرآن کے بارے میں لکھتے ہیں:

''معارف القرآن للأستاذالکبیرالمفتي الأکبرمو لاناالشیخ مفتي محمد شفیع الدیوبندي۔طالت حیاته المبارَکة في عافیةٍ۔في ثماني مجلدات مأخذه''بیان القرآن''لحکیم الأمة الشیخ التهانوي فَلَخَّصَہٗ في عباراتٍ واضحةٍ' و زادَ علیها مسائل و أبحاثاًیحتاج إلیهاالعصرالحاضر' ولسنا نحتاجُ الثناء علی الکتاب فأصبح خیر تفسیریستفید منه عالمٌ وغیرُ عالمٍ''[4]

''استاذ کبیر، مفتیٔ اعظم مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی۔ اللہ تعالیٰ اُن کی مبارک زندگی عافیت کے ساتھ دراز کرے، کی تفسیر معارف القرآن آٹھ جلدوں میں ہے جس کا مأخذ حکیم الامت شیخ تھانوی[5] کی تفسیر بیان القرآن ہے جس کی مفتی صاحب نے آسان اور واضح عبارت میں تلخیص کی ہے اور اس میں ایسے مسائل اور مباحث کا اضافہ کر دیا ہے جس کی عصر حاضر کو ضرورت ہے۔ یہ کتاب ہماری تعریف کا محتاج نہیں ہے۔ یہ ایک بہترین تفسیر ہے جس سے عالم اور غیر عالم استفادہ کرتے ہیں۔''

چند تفسیری نکتے:

ویسے تو تفسیر معارف القرآن علوم کا گنجینہ ہے تاہم اس میں بعض تفسیری نکتے بہت خوب ہیں۔ جن میں سے چند ایک ذیل میں ذکر کیے جاتے ہیں۔

1۔ سورۃ البقرۃ ۲:۲۸ کے تحت لکھتے ہیں:

''اس آیت میں دنیا کی زندگی اور موت کے بعد صرف ایک حیات کا ذکر ہے جو قیامت کے روز ہونے والی ہے۔ قبر کی زندگی جس کے ذریعہ قبر کا سوال وجواب اور قبر میں ثواب وعذاب ہونا قرآنِ کریم کی متعدد آیات اور حدیث کی متواتر روایات سے ثابت ہے اس کا ذکر نہیں' وجہ یہ ہے کہ برزخی زندگی اُس طرح کی زندگی نہیں ہے جو انسان کو

دنیا میں حاصل ہے یا آخرت میں پھر ہوگی' بلکہ ایک درمیانی صورت مثلِ خواب کی زندگی کے ہے' اس کو دنیا کی زندگی کا تکملہ بھی کہا جا سکتا ہے اور آخرت کی زندگی کا مقدمہ بھی' اس لیے کوئی مستقل زندگی نہیں جس کا جداگانہ ذکر کیا جائے "[6]

2۔ سورۃ البقرۃ ۲:۳۴ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"اسی طرح سجدہ تعظیمی پچھلی شریعتوں میں جائز تھا لیکن آخر کار لوگوں کی جہالت سے یہی چیزیں شرک و بت پرستی کا ذریعہ بن گئیں اور اسی راہ سے انبیاء علیہم السلام کے دین و شریعت میں تحریف ہو گئی اور پھر دوسرے انبیاء اور دوسری شریعتوں نے آکر اس کو مٹایا۔ شریعتِ محمدیہ چونکہ دائمی اور ابدی شریعت ہے۔ رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر نبوت و رسالت ختم اور آپ کی شریعت آخری شریعت ہے اس لیے اس کو مسخ و تحریف سے بچانے کے لیے ہر ایسے سوراخ کو بند کر دیا گیا' جہاں سے شرک و بت پرستی آسکتی تھی' اسی سلسلہ میں وہ تمام چیزیں اس شریعت میں حرام قرار دی گئی ہیں جو کسی زمانہ میں شرک و بت پرستی کا ذریعہ بنی تھیں "[7]

3۔ سورۃ البقرۃ ۲:۴۲ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"علامہ شامی[8] نے درمختار کی شرح میں اور اپنے رسالہ "شفاء العليل وبل الغليل في الوصية بالختمات والتهاليل" میں بڑی تفصیل اور قوی دلائل کے ساتھ یہ بات واضح کر دی ہے کہ تعلیم قرآن وغیرہ پر اجرت لینے کو جن متأخرین فقہاء نے جائز قرار دیا ہے اس کی علت ایک ایسی دینی ضرورت ہے جس میں خلل آنے سے دین کا پورا نظام مختل ہو جاتا ہے اس لیے اس کو ایسی ہی ضرورت کے مواقع میں محدود رکھنا ضروری ہے، اس لیے مُردوں کو ایصالِ ثواب کے لیے ختمِ قرآن کرانا یا کوئی دوسرا وظیفہ پڑھوانا اجرت کے ساتھ حرام ہے، کیوں کہ اُس پر کسی عام دینی ضرورت کا مدار نہیں اور اجرت لے کر پڑھنا حرام ہوا تو اس طرح پڑھنے والا اور پڑھوانے والا دونوں گناہ گار ہوئے، اور جب پڑھنے والے ہی کو کوئی ثواب نہ ملا تو میت کو وہ کیا پہنچے گا۔ علامہ شامی نے اس بات پر فقہاء کی بہت سی تصریحات تاج الشریعۃ، عینی شرح ہدایہ، حاشیہ خیر الدین بر بحر الرائق وغیرہ سے

نقل کی ہیں اور خیر الدین رملی[9] کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ ایصال ثواب کے لیے قبر پر قرآن پڑھوانا یا اجرت دے کر ختم قرآن کرانا صحابہ و تابعین اور اَسلافِ امت سے کہیں منقول نہیں اس لیے بدعت ہے۔ (شامی، ص ۷۴، ج ۱)[10]

4۔ سورۃ البقرۃ ۲:۱۷۳ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"متقدمین نے تقریباً پانسو آیات قرآنی میں نسخ ثابت کیا تھا، جس میں معمولی سی تبدیلی قید و شرط یا استثناء وغیرہ کو بھی شامل کیا تھا اور حضرات متأخرین میں علامہ سیوطی[11] نے صرف بیس آیتوں کو منسوخ قرار دیا، ان کے بعد شاہ ولی اللہ[12] نے ان میں بھی تطبیق کی صورت پیدا کرکے صرف پانچ آیتوں کو منسوخ فرمایا ہے۔۔۔۔ لیکن اس تقلیل کا یہ منشا ہرگز نہیں ہو سکتا کہ نسخ اسلام یا قرآن پر کوئی عیب تھا جس کے ازالہ کی کوشش چودہ سو برس تک چلتی رہی، آخری انکشاف شاہ ولی اللہ کا ہوا، جس میں گھٹتے گھٹتے پانچ رہ گئیں اور اب اس کا انتظار ہے کہ کوئی جدید محقق ان پانچ کا بھی خاتمہ کرکے بالکل صفر تک پہنچا دے"[13]

5۔ سورۃ البقرۃ ۲:۱۷۳ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"دوسری صورت یہ ہے کہ کسی جانور کو تقرب الیٰ غیر اللہ کے لیے ذبح کیا جائے، یعنی اس کا خون بہانے سے تقرب الیٰ غیر اللہ مقصود ہو، لیکن بوقتِ ذبح اس پر نام اللہ ہی کا لیا جائے جیسے بہت سے ناواقف مسلمان بزرگوں پیروں کے نام پر اُن کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے بکرے، مرغے وغیرہ ذبح کرتے ہیں لیکن ذبح کے وقت اس پر نام اللہ ہی کا پکارتے ہیں یہ صورت بھی باتفاقِ فقہاء حرام اور مذبوحہ مردار ہے"[14]

6۔ سورۃ البقرۃ ۲:۲۵۵ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"دوسرا جملہ ہے اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ لفظ حَیٌّ کے معنی عربی زبان میں ہیں "زندہ"۔ اسمائے الٰہیہ میں سے یہ لفظ لا کر یہ بتلانا ہے کہ وہ ہمیشہ زندہ اور باقی رہنے والا ہے۔ وہ موت سے بالاتر ہے۔ لفظ قَیُّوْمٌ، قیام سے نکلا ہے۔ قیام کے معنی ہیں کھڑا ہونا۔ قائم کھڑا ہونے والے کو کہتے ہیں۔ قَیُّوْمٌ اور قَیَّامٌ مبالغہ کے صیغے کہلاتے ہیں۔ ان کے معنے ہیں: وہ جو خود قائم رہ کر دوسروں کو قائم رکھتا اور سنبھالتا ہے۔ قَیُّوْم حق تعالیٰ کی

خاص صفت ہے، جس میں کوئی مخلوق شریک نہیں ہوسکتی، کیوں کہ جو چیزیں خود اپنے وجود اور بقاء میں کسی دوسرے کی محتاج ہوں وہ کسی دوسری چیز کو کیا سنبھال سکتی ہیں؟ اس لیے کسی انسان کو قَیُّوْم کہنا جائز نہیں۔ جو لوگ عبد القیوم کے نام کو بگاڑ کر صرف قیوم بولتے ہیں، گنہگار ہوتے ہیں "[15]

7۔ سورۃ الاعراف ۱۸۰:۷ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

" اسمائے الٰہیہ میں تحریف یا کجروی کی کئی صورتیں ہوسکتی ہیں: اول: یہ کہ اللہ تعالیٰ کے لیے وہ نام استعمال کیا جائے جو قرآن و حدیث میں اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت نہیں۔ علمائے حق کا اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام اور صفات میں کسی کو یہ اختیار نہیں کہ جو چاہے نام رکھے یا جس صفت کے ساتھ چاہے اُس کی حمد و ثناء کرے بلکہ صرف وہی الفاظ ہونے ضروری ہیں جو قرآن و سنت میں اللہ تعالیٰ کے لیے بطورِ نام یا صفت کے ذکر کئے گئے ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ کو کریم کہہ سکتے ہیں، سخی نہیں کہہ سکتے۔ نور کہہ سکتے ہیں ابیض نہیں کہہ سکتے۔ شافی کہہ سکتے ہیں طبیب نہیں کہہ سکتے کیونکہ یہ دوسرے الفاظ منقول نہیں، اگرچہ انہی الفاظ کے ہم معنی ہیں۔ دوسری صورت اِلحاد فی الاسماء کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام جو قرآن و سنت سے ثابت ہیں اُن میں کسی نام کو نامناسب سمجھ کر چھوڑ دے، اِس کا بے ادبی ہونا ظاہر ہے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مخصوص ناموں کو کسی دوسرے شخص کے لیے استعمال کرے، مگر اس میں تفصیل ہے کہ اسمائے حسنیٰ میں سے بعض نام ایسے بھی ہیں جن کو خود قرآن و حدیث میں دوسرے لوگوں کے لیے بھی استعمال کیا گیا ہے اور بعض وہ ہیں جن کو سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کے لیے استعمال کرنا قرآن و حدیث سے ثابت نہیں، تو جن ناموں کا استعمال غیر اللہ کے لیے قرآن و حدیث سے ثابت ہے وہ نام تو اوروں کے لیے بھی استعمال ہوسکتے ہیں جیسے رحیم، رشید، علی، کریم، عزیز وغیرہ اور اسمائے حسنیٰ میں سے وہ نام جن کا غیر اللہ کے لیے استعمال کرنا قرآن و حدیث سے ثابت نہیں، وہ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہیں ان کو غیر اللہ کے لیے استعمال کرنا اِلحاد مذکور میں داخل اور ناجائز و حرام ہے۔ مثلاً رحمٰن، سبحان، رزّاق، خالق، غفّار، قدّوس وغیرہ۔ پھر ان مخصوص ناموں کو غیر اللہ کے لیے استعمال کرنا اگر کسی غلط عقیدہ کی بنا پر ہے کہ اس کو ہی

خالق یارازق سمجھ کر ان الفاظ سے خطاب کر رہا ہے تب تو ایسا کہنا کفر ہے اور اگر عقیدہ غلط نہیں محض بے فکری یا بے سمجھی سے کسی شخص کو خالق، رزاق، یا رحمن، سبحان کہہ دیا تو یہ اگرچہ کفر نہیں مگر مشرکانہ الفاظ ہونے کی وجہ سے گناہِ شدید ہے[16]۔

اس تفسیر میں البتہ بعض تحقیق طلب مقامات بھی ہیں۔ مثلاً:

1۔ مفتی صاحب رحمہ اللہ سورۃ النساء ۴:۶۴ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"یہ آیت اگرچہ خاص واقعہ منافقین کے بارے میں نازل ہوئی ہے، لیکن اس کے الفاظ سے ایک عام ضابطہ نکل آیا کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو جائے اور آپ اُس کے لیے دعاءِ مغفرت کر دیں، اُس کی مغفرت ضرور ہو جائے گی اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضری جیسے آپ ﷺ کی حیات دنیوی کے زمانہ میں ہو سکتی تھی اسی طرح آج بھی روضۂ اقدس پر حاضری اسی حکم میں ہے"[17]

اس آیت کو سیاق سباق سے کاٹ کر اس کی یہ تفسیر کی گئی ہے۔ اگر یہ آیت ہم عصر اور بعد کے امتیوں کو عام ہے تو صحابہ کرام نے اسے عام سمجھ کر استسقاء کے موقع پر نبی اکرم ﷺ کی قبر اطہر پر جا کر آپ ﷺ سے دعاء کیوں نہ کرائی؟ بیانِ جواز کے لیے ایک بار تو دعاء کروا ہی لیتے مگر صحابہ، تابعین و تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین سے اس کا ثبوت ملتا ہے اور نہ ہی یہ کسی امام کا مذہب ہے۔ جس طرح یہ آیت عام ہے اس طرح آیت "فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوهُ اِلَی اللهِ وَالرَّسُول"[18] کے الفاظ بھی عام ہیں اور ہم عصر اور بعد کے امتیوں کو شامل ہیں، اس میں بھی تخصیص نہیں ہے، تو پھر ہر مسلمان کا فرض بنتا ہے کہ وہ اپنے فیصلے حاکموں اور قاضیوں کی بجائے رسول اللہ ﷺ سے براہِ راست قبر اطہر پر جا کر چکایا کریں، اگر ان کا اللہ اور روزِ آخر پر ایمان ہے۔

ایک آیت میں بلا دلیل تعمیم کا قول اور دوسری آیت میں تخصیص کا کیا مطلب؟ کیا آپ ﷺ شرعی فیصلہ کرنے کے لیے ہم عصر اور بعد کے امتیوں کے لیے یکساں رحمت نہیں؟ کوئی مؤمن اس بات کی جرأت نہیں کر سکتا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں یہ کہے کہ آپ ﷺ بعد کے امتیوں کے لیے رحمت نہیں۔ پس فرق کی وجہ کیا ہے؟ کہ ایک آیت کو عموم پر رکھا اور دوسری میں تخصیص کر دی، جب کہ تنازع کا فیصلہ اہم ہے بہ نسبت استغفار کے، کیونکہ یہ موقوف علیہ ہے۔

اس تفسیر کو دیکھ کر کوئی یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ قبر نبی ﷺ کے پاس جا کر اُن سے مختلف فیہ مسائل کے بارے میں پوچھو، وہ ضرور جواب عنایت کریں گے اس لیے کہ دین کو مفصل بیان کرنا اُن کا فرض منصبی بھی

ہے، تو کیا یہ استدلال درست ہو گا؟ بالفاظ دیگر استشفاع بدعاء الرسول ﷺ تحکیم الیٰ ذات الرسول ﷺ پر مبنی ہے اور اس کا ثمرہ اور نتیجہ ہے، اور جب تحکیم ذات الرسول ﷺ موت کے بعد نہیں تو استشفاع بدعاء الرسول کیسے؟

حافظ ابن تیمیہ[19] لکھتے ہیں:

''یقولون:إذاطلبنامنہ الإستغفاربعدموتہ کنابمنزلۃ الذین طلبوا الإستغفارمن الصحابۃ ، و یخالفون بذلک اجماع الصحابۃ و التابعین لھم بإحسان و سائرالمسلمین، فإن أحداًمنھم لم یطلب من النبي صلی اللہ علیہ وسلم بعد موتہ أن یشفع ، و لا سألہ شیئاً و لاذکر ذلک أحد من أئمۃالمسلمین''[20]

''یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر ہم رسول اللہ ﷺ کے وفات پاجانے کے بعد اُن سے دعائے مغفرت کرادیں تو یہ بالکل ایسا ہے جیسا کہ صحابہ نے اُن سے جیتے جی دعاء کرائی تھی، حالانکہ یہ لوگ ایسا کرکے اجماعِ صحابہ کرام و تابعین عظام کی مخالفت کررہے ہیں، اس لیے کہ کسی بھی صحابی سے ثابت نہیں کہ اُس نے نبی ﷺ کی وفات کے بعد اُن کے قبر کے پاس آکر اُن سے دعاء کرائی ہو، یا کوئی چیز اُن سے پوچھی ہو مسلمانوں کے ائمہ کی کسی کتاب میں اس کا تذکرہ تک نہیں۔''

2۔ اسی آیت کی تفسیر میں آگے لکھتے ہیں:

''سیدنا علیؓ[21] سے روایت ہے کہ جب ہم رسول اللہ ﷺ کو دفن کرکے فارغ ہوئے تو اُس کے تین روز بعد ایک اَعرابی[دیہاتی] آیا اور قبر شریف کے پاس آکر گر گیا اور زار زار روتے ہوئے آیت مذکورہ کا حوالہ دے کر عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں وعدہ فرمایا ہے کہ اگر گنہگار، رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو جائے اور رسول ﷺ اُس کے لیے دعائے مغفرت کر دیں تو اُس کی مغفرت ہو جائے گی، اس لیے میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں کہ آپ میرے لیے مغفرت کی دعاء کریں، اُس وقت جو لوگ حاضر تھے اُن کا بیان ہے کہ اس کے جواب میں روضۂ اقدس کے اندر سے آواز آئی: قَدْ غُفِرَ لَکَ، یعنی تیری مغفرت کر دی گئی۔''[22]

مفتی محمد شفیع صاحب نے اسے تفسیر البحر المحیط ۲:۲۸۳، اور پیر محمد کرم شاہ صاحب ازہری نے

تفسیر القرطبی ۵:۲۵۵ کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ البحر المحیط میں یہ روایت بغیر کسی سند کے مذکور ہے جب کہ تفسیر القرطبی میں اس کی سند اس طرح منقول ہے:

"روی ابو صادق عن علیؓ "-اس ابو صادق کا نام عبد اللہ بن ناجد ہے جس کی سیدنا علیؓ سے روایت ثابت نہیں۔

امام ابن سعد[23] فرماتے ہیں: محدثین اس کے بارے میں کلام کرتے ہیں"[24]

پس یہ روایت منقطع ہوئی۔ نیز امام قرطبی[25] نے یہ بھی نہیں بتایا ہے کہ ابو صادق سے اسے نقل کرنے والے کون لوگ ہیں، ثقہ تھے یا غیر ثقہ؟

3۔ سورۃ یوسف ۱۲:۴۲ کی تفسیر کے تحت لکھتے ہیں:

"آٹھواں مسئلہ یہ ہے کہ اللہ جل شانہ کو اپنے برگزیدہ پیغمبروں کے لیے ہر جائز کوشش بھی پسند نہیں، کہ کسی انسان کو اپنی خلاصی کا ذریعہ بنائیں، ان کے اور حق تعالیٰ کے درمیان کوئی واسطہ نہ ہونا ہی انبیاء کا اصلی مقام ہے، شاید اسی لیے یہ قیدی یوسف کے اس کہنے کو بھول گیا اور ان کو مزید کئی سال جیل میں رہنا پڑا۔ ایک حدیث میں بھی رسول کریم ﷺ نے اس طرف اشارہ فرمایا ہے "[26]

جس روایت سے مفتی صاحب نے اس مسئلے کا استنباط فرمایا ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں:

"رحم الله يوسف لولاالكلمة التي قالها:أذكرني عند ربک، ما لبث في السجن طول مالبث"[27]

یوسف پر اللہ رحم کرے، اگر وہ اللہ کو چھوڑ کر دوسروں پر رہائی کی امید نہ رکھتے تو اتنی لمبی مدت قید میں نہ ٹھہرتے۔"

اس روایت کے بارے میں حافظ ابن کثیر[28] فرماتے ہیں: ضَعِيْفٌ جِدًّا، یعنی شدید ضعیف ہے۔[29] اور تاریخ میں لکھتے ہیں:

"إنہ حديث منكر من هذاالوجہ، ومحمد بن عمروبن علقمة لہ أشياء ينفردبها ، وفيهانكارةٌ، وهذه اللفظة مِن أنكر هاو أشدها"[30]

"یہ روایت منکر ہے اور محمد بن عمر علقمہ کئی منکر روایات میں منفرد ہے۔ اور اس کی یہ روایت شدید منکر ہے۔"

پھر عکرمہ نے اپنے استاذ کا نام بھی نہیں لیا کہ کون تھے اس لیے یہ منقطع بھی ہوئی۔

مندرجہ بالا چند مثالوں سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے، کہ تفسیر معارف القرآن اگرچہ علوم القرآن کا بیش

بہا خزینہ ہے، تاہم اس میں مذکور بعض حدیثی روایات کی تنقیح کی اشد ضرورت ہے۔ ایسا کرنے سے اس تفسیر کی مزید علمی خدمت ہو جائے گی اور مذکورہ احادیث کی اسنادی حیثیت کا تعین بھی ہو جائے گا۔

حواشی و حوالہ جات

[1] ماہنامہ البلاغ کا مفتی اعظم نمبر، ص: ۹۴، دارالعلوم کراچی۔

[2] ایضًا، ص: ۹۵، ۳۳۴

[3] محمد یوسف بنوری ۱۹۰۸ء کو مردان کے قریب مضافاتی گاؤں محبت آباد میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد مولانا سید محمد زکریا سے حاصل کی۔ دارالعلوم دیوبند [انڈیا] میں مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیری سے دورہ حدیث کی سند لی۔ ۱۹۳۰ء کو پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل کی سند لی۔ مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیری کی وفات کے بعد جامعہ اسلامیہ ڈابھیل [سورت، انڈیا] کے صدر مدرس اور شیخ الحدیث 7 مقرر ہوئے۔ جنوری ۱۹۵۱ء میں پاکستان چلے آئے۔ پہلے ٹنڈوالہ یار، سندھ اور بعد میں نیو ٹاؤن [حالاً بنوری ٹاؤن کراچی] میں تعلیمی سرگرمیاں جاری رکھیں۔ ۱۹۷۴ء میں تحریک ختم نبوت کے مسئلے پر اُنہوں نے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے سلسلے میں انتہائی اہم کردار ادا کیا۔ ۱۷ اکتوبر ۱۹۷۷ء کو وفات پائی۔ [سید قاسم محمود، انسائیکلوپیڈیا پاکستانیکا: ۳۰۹-۳۱۰، الفیصل ناشران کتب، لاہور، ۲۰۰۴]

[4] بنوری، مولانا محمد یوسف، یتیمۃ البیان فی شیئ من علوم القرآن: ۶۹، مجلس الدعوۃ والتحقیق الاسلامی، کراچی، ۱۹۷۶ء

[5] اشرف علی بن عبد الحق فاروقی، ۱۲۸۰ھ 236۱۸۶۳ء کو ہندوستان میں تھانہ بھون، ضلع مظفر نگر میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم میرٹھ میں ہوئی۔ اول اول قرآن مجید کو حفظ کیا۔ عربی اور فارسی کی ابتدائی کتابیں تھانہ بھون میں پڑھیں۔ دیوبند میں باقی درسیات کی تکمیل کی۔ ۱۳۰۱ھ 236۱۸۸۴ء کو سند فضیلت حاصل کی، اسی سال حج بیت اللہ سے بھی مشرف ہوئے اور حاجی اِمداد اللہ مہاجر مکی سے بیعت کی۔ ۱۳۶۲ھ / ۱۹۴۳ء کو وفات پائی۔ [سید قاسم محمود، الفیصل ناشران کتب، لاہور، شاہ کار اسلامی انسائیکلوپیڈیا ۲۲۷:۱]

[6] محمد شفیع، مفتی، معارف القرآن ۱۷۳:۱

[7] معارف القرآن ۱۸۹:۱

[8] محمد امین بن عمر بن عبد العزیز بن عابدین، فقیہ دَیارِ شامیہ، اپنے زمانے میں اَحناف کے امام تھے۔ دمشق میں ۱۱۹۸ھ / ۱۷۸۴ء کو پیدا ہوئے۔ ابن عابدین سے شہرت پائی۔ دمشق ہی میں ۱۲۵۲ھ / ۱۸۳۶ء کو فوت ہوئے۔ [الزرکلی، خیر الدین، الاعلام ۴۲:۶]

[9] خیر الدین بن احمد بن علی، ایوبی، علیمی، فاروقی، فقیہ اور باحث تھے۔ فلسطین کے "رملہ" سے تعلق تھا۔ ۹۹۳ھ / ۱۵۸۵ء کو پیدا ہوئے۔ ۱۰۰۷ھ کو مصر تشریف لے گئے۔ چھ سال تک ازہر میں رہے۔ رملہ واپس لوٹ کر درس و تدریس اور اِفتاء کے فرائض سنبھالے۔ ۱۰۸۱ھ 236۱۶۷۱ء کو رملہ میں وفات پا گئے۔ [خلاصۃ الاثر ۱۳۴:۲، الاعلام ۳۲۷:۲]

[10] معارف القرآن ۲۰۸:۱

[11] عبد الرحمن بن ابی بکر بن محمد بن سابق الدین، خضیری، سیوطی، جلال الدین، ۸۴۹ھ / ۱۴۴۵ء کو پیدا ہوئے پانچ سال کے تھے کہ والد کا سایہ عاطفت سر سے اٹھ گیا۔ قاہرہ میں پلے بڑھے۔ چالیس سال کی عمر میں دریائے نیل کے روضۃ المقیاس میں عزلت نشین ہوئے اور وہیں اپنی اکثر کتابیں لکھیں۔ امراء اور شرفاء ان سے ملنے وہاں آتے اور وظائف و تحائف پیش کرتے مگر آپ کسی سے ملتے اور نہ وظیفہ یا تحفہ قبول کرتے۔ ۹۱۱ھ / ۱۵۰۵ء کو وفات پائی۔ [شذرات الذہب ۵۱:۸، الاعلام ۳۰۱:۳]

[12] ولی اللہ احمد بن عبد الرحیم، عمری، حنفی، نقش بندی، محدث دہلوی۔ ۱۱۱۴ھ / ۱۷۰۳ء کو سونی پت میں پیدا ہوئے۔ چودہ سال کی عمر میں شادی ہوئی۔ سولہ سال کے تھے کہ درس و تدریس کی اجازت مل گئی۔ ہند میں

تفسیر وحدیث کو مشتہر کرنے میں ان کا بہت بڑا حصہ ہے۔ دہلی میں ۱۱۷۶ھ کو ۶۲ سال کی عمر میں وفات پائی۔ [نزہۃ الخواطر ۱۰:۶۴۱، تذکرہ علمائے ہند: ۵۴۲]

[13] معارف القرآن ۱:۲۸۵۔۲۸۶

[14] معارف القرآن ۱:۴۲۱

[15] معارف القرآن ۱:۶۱۳

[16] معارف القرآن ۴:۱۳۱۔۱۳۲

[17] معارف القرآن ۲:۴۵۹

[18] سورۃ النساء ۴:۵۹

[19] احمد بن عبد الحلیم بن عبد السلام بن عبد اللہ بن ابی القاسم، حرانی، دمشقی، حنبلی، ابو العباس، تقی الدین ابن تیمیہ، ۶۶۱ھ / ۱۲۶۳ء کو حران میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد ماجد کی معیت میں مصر منتقل ہوگئے۔ ۷۲۸ھ / ۱۳۲۸ء کو قلعہ دمشق میں حالتِ اسارت میں وفات پائی۔ بڑے فطین اور ذکی عالمِ دین تھے۔ [المعجم المختص بالمحدثین، ذہبی :۲۵، البدایۃ والنھایۃ ۱۴:۱۴۱، الاعلام ۱:۱۴۴]

[20] مجموع الفتاوی ۱:۱۴۹

[21] اشرف علی بن عبد الحق فاروقی، ۱۲۸۰ھ / ۱۸۶۳ء کو ہندوستان میں تھانہ بھون [ضلع مظفر نگر] میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم میرٹھ میں ہوئی۔ اول اول قرآن مجید کو حفظ کیا۔ عربی اور فارسی کی ابتدائی کتابیں تھانہ بھون میں پڑھیں۔ دیوبند میں باقی درسیات کی تکمیل کی۔ ۱۳۰۱ھ / ۱۸۸۴ء کو سند فضیلت حاصل کی، اسی سال حج بیت اللہ سے بھی مشرف ہوئے اور حاجی اِمداد اللہ مہاجر مکی سے بیعت کی۔ ۱۳۶۲ھ / ۱۹۴۳ء کو وفات پائی۔ [شاہکار اسلامی انسائیکلوپیڈیا ۱:۲۲۷]

[22] معارف القرآن ۲:۴۶۰، ضیاء القرآن ۱:۳۵۹۔۳۶۰

[23] محمد بن سعد بن منیع زہری، ابوعبداللہ، ثقہ مؤرخ، حافظ حدیث اور واقدی کے کاتب [سیکرٹری] تھے۔ بصرہ میں ۱۶۸ھ / ۷۸۴ء کو اُن کی ولادت ہوئی۔ بغداد میں رہائش پذیر تھے اور وہیں ۲۳۰ھ / ۸۴۵ء کو وفات پائی۔ واقدی کے کاتب رہنے کے باوجود بھی اُن کی وثاقت اور عدل میں کوئی کمی تسلیم نہیں کی گئی۔ [تاریخ بغداد ۵:۳۲۱، الاعلام ۶:۱۳۷]

[24] میزان الاعتدال ۴:۵۳۸، ترجمہ: ۱۰۰۳۰

[25] محمد بن احمد بن ابی بکر بن فرح انصاری خزرجی اندلسی ابوعبداللہ قرطبی، تاریخ ولادت معلوم نہ ہو سکی۔ بہت بڑے مفسر اور صالح وعابد تھے۔ قرطبہ [اندلس] سے تعلق تھا۔ شرق اوسط کے اَسفار کیے۔ مصر کے شمال میں اسیوط کے مضافات میں منیۃ ابن خصیب میں اقامت پذیر رہے اور وہیں ۶۷۱ھ / ۱۲۷۳ء کو وفات پائی۔ سادہ اور متقشفانہ زندگی گزارتے تھے۔ ایک ہی کپڑا زیب تن فرمایا کرتے تھے۔ [نفح الطیب ۱:۴۲۸، الاعلام ۵:۳۲۲]

[26] معارف القرآن ۵:۵۹

[27] تفسیر طبری ۷:۲۲۱، نص: ۱۹۳۱۹، موارد الظمآن: ۴۳۲، حدیث: ۱۷۴۷، صحیح ابن حبان ۸:۲۹، حدیث: ۳۲۱۷

[28] اسماعیل بن عمر بن کثیر، قرشی، دمشقی، ابو الفداء، عماد الدین، حافظ، مؤرخ اور فقیہ تھے۔ بُصریٰ کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں ۷۰۱ھ / ۱۳۰۲ء کو پیدا ہوئے۔ ۷۰۶ھ کو اپنے بھائی کے ہمراہ دمشق تشریف لے گئے۔ طلب علم میں لمبے لمبے سفر کیے۔ ۷۷۴ھ / ۱۳۷۳ء کو دمشق میں وفات پائی۔ [البدر الطالع ۱:۱۵۳، الاعلام ۱:۳۲۰]

[29] تفسیر ابن کثیر ۲:۱۴۱

[30] البدایۃ والنہایۃ ۱:۲۱۶